Research Journal Tahqeeqat
جلد:4،شمارہ:2،2025ء
eISSN: 2791-0342
pISSN: 2791-0334
ریسرچ جرنل تحقیقات

# فرزانہ فرحت کی غزلوں کا علامتی پہلو

# *Symbolic Aspect of Farzana Farhat’s Ghazals*

***Asifa Intezar***
*MPhil Scholar Riphah International University, Faisalabad Campus*
***Dr Ghulam Shabir Asad***
*Assistant Professor, Government Graduate College, Jhang*

**آصفہ انتظار**
ایم-فل اسکالر شعبہ اردو رفاہ انٹر نیشنل یونیورسٹی، فیصل آباد کیمپس
**ڈاکٹر غلام شبیر اسدؔ**
اسسٹنٹ پروفیسر، گورنمنٹ گریجویٹ کالج، جھنگ

**Abstract**

*This article reads the Ghazal of Farzana Farhat, a prominent name among the modern women of Pakistan. His ghazal have been discussed in the context of modern symbolic thought. His ghazals are the modern and traditional meaning of compassion, human sympathy, sadness and loneliness, closeness to nature. This is because of their symbolic style which makes their poetry meaningful. The symbolic use of the word besides traditional poetic tools highlights their contemporary sensibility. From the overall study of his lyrics, fire, bird, moon, earth, flower, wind, planet, soil, tree, city, sun, evening and eye can be extracted whose meanings are not traditional but based on their inner sense. In terms of Farzana Farhat's symbolic system, it has become clear that his meaningful expansion is a story of passing through the bitter realities of life, in which there are bitterness of life, there is a profound effect of grief, deprivation and suffering. Where the combination of ancient and modern has created such a refreshment, which is not found here by his predecessor poets, the expectation of any art is determined by his modern sense, Farzana farhat is a Urdu poet in Britain. All of your collections are well received in the literary circles of Britain and in the poetry of Pakistan the canvas of his poetry is a combination of modern and ancient, he has a unique place to create new meanings from the traditional words.*

**Keywords:** *Symbol, Symbolic, Modern Poetry, Feelings, Symbolism*

**کلیدی الفاظ:** علامت، علامتی، جدید شاعری، احساس، علامتیت

جدید غزل میں رمزیت، ایمائیت، تشبیہ، استعارہ اور تہہ داری بنیادی وسائل ہیں اسی طرح علامت بھی جدید غزل کی خصوصیت ہے۔ علامت کی خوبی اس کی معنیاتی وسعت ہے۔ علامتی اظہار میں معنی کے بہت سے پہلو نمودار ہوتے ہیں، جس میں حتمیت کے بجائے تاویلات و توضیحات کا جو از موجود رہتا ہے۔ اردو میں علامتیت / علامت نگاری کی اصطلاح بیسویں صدی کے نصف اول میں انگریزی اصطلاح Symbol کے ترجمے کے طور پر رائج ہوئی:

> "علامت کا استعمال صرف چند قرائن یا نشانات کے لیے ہوتا رہا ہے جو مرئی ہوں اور جو ذہن کو ان اشیا کی طرف منتقل کریں جو مرئی اشیا سے تعلقات وابستہ رکھتی ہوں مگر سامنے نہ ہوں۔"[(1)]

جدید علامت میں جو کہا جا رہا ہو اس سے الگ اور کچھ زیادہ مراد لیا جاتا ہے۔ علامت شے کے تصور کو ذہن میں لاتی ہے، شے اور اس کے تصور میں مشابہت ارادی نہیں بلکہ غیر ارادی ہوتی ہے۔ ظہیر رحمتی نے ولیم منڈل کے حوالہ سے علامت کی تعریف نقل کی ہے:

> "Symbol is that which stand for suggest something by season of relationship, association, convention or accident, but not, intentional resemblance especially a visible sign, for something

invisible as an idea, a quality or totality such as a state or churchwebeste" (2)

تاہم علامت اپنی ذات اور عمل کے لحاظ سے دوسری شے کی یاد دلاتی ہے اور علامت وسیع اور کثیر معنی ہوتی ہے۔ اردو کلاسیکی غزل میں علامتی نظام حسن، عشق اور ان سے پیدا ہونے والے مختلف النواع جذبوں، جس میں غم کو نمایاں جگہ حاصل ہے، کے گرد گھومتا ہے۔ اُردو میں علامتیت / علامت نگاری نے ہر صنفِ سخن کو متاثر کیا، ہر خاص وعام اس میں طبع آزما ہوا، پاکستان میں یہ رویہ 1960ء کے بعد زیرِ بحث آیا، اس ضمن میں مجید امجد کے ہاں جدید رویوں اور ہیئتوں کے باعث علامت کا استعمال منفرد ہے۔ غزل نے بھی علامتیت کو اپنایا اس میں توصیف تبسم، خورشید رضوی اور افتخار عارف وغیرہ کے نام نمایاں ہیں، عورتوں میں پروین شاکر کا نام نمایاں ہے۔ غزل میں 1960ء کے بعد جدید معانی تلاشے جانے لگے۔ فرزانہ فرحت (پ:1950ء) پاکستان سے پہلی پڑھی لکھی خواتین میں سے ہیں، جنھوں نے علمی گھرانے میں آنکھ کھولی۔ علم و تجربہ ان کی میراث ہے، لکھنے کا سفر مضمون نگاری سے کیا جو سماج اور انصاف کے موضوعات پر ہیں مگر ایک طویل مدت مشق کے بعد آپ نے نظم و غزل مشاعروں اور کانفرنسوں میں سنانا شروع کی۔ فرزانہ فرحت کی شاعری زندگی کے احساس، محبت، انصاف، ظلم اور مایوسی سے عبارت ہے۔ سماج میں جو کچھ ہو رہا ہے اسے فرزانہ فرحت نے اردو غزل کے روایتی فنی محاسن میں خوب برتا ہے اور آپ نے شعر پختہ عمر میں کہا، تاہم شعر کا کینوس زندگی کے مشاہدے اور تجربے کے علاوہ مطالعاتی عادت کی خوبی ہے۔ یہاں ایسے الفاظ کو انتخاب کیا گیا ہے جو روایت میں تشبیہ، استعارہ وغیرہ کے لیے استعمال ہوئے ہیں، ان کی معنوی جہت نئی اور ذہن میں آنے والی تصویر غیر ارادی طے ہے نہ کہ تشبیہ اور استعارے کی طرح جو شعر کی ہیئت کو مکمل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ تاہم یہ الفاظ تو مانوس ہیں لیکن ان کا استعمال کثیر الجہتی ہے۔

آگ: آگ سے مراد جلنا ہے مگر علامتوں میں اس کا استعمال کچھ اور ہے۔ علامت آگ کی ایک سطح تو اندھیرا اور روشنی ہے جب کہ اس کی دوسری سطح زندگی اور حرارت کی ہے۔ شعرا اپنی شاعری میں دل کے سوز و عشق کو دکھانے کے لیے آگ علامت کا استعمال کرتے ہیں۔ صوفیا روایت میں بھی عشق کے لیے آگ لفظ استعمال کرتے ہیں۔ حضرت موسیٰؑ کے اصرار پر اللہ تعالیٰ کا نور کا جلوہ کوہ طور پر پڑا تو پہاڑ جل کر راکھ ہو گیا، اس کے لیے بھی علامت آگ استعمال کرتے ہیں۔ فرزانہ فرحت نے بھی علامت آگ کا استعمال بڑی مہارت اور معنوی جہتوں میں کیا ہے:

کس نے میری سر زمیں پہ آج برسائی ہے آگ
خون سے بھر دی ہے کسی نے آج پھر دھرتی کی مانگ (3)

ایک چنگاری جو اس دل میں دبی رہتی ہے
اب اسی آگ سئ اک شہر ہے جلنے والا (4)

پرندہ / پنچھی: پرندے کو روح کی علامت کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ روح چوں کہ بلندیوں کی طرف پرواز کرتی ہے۔ اس طرح پرندہ بھی تخیل کی اڑان کی علامت ہے۔ کیوں کہ پرندے بھی آسمان پر زمین کے مسافر ہیں۔ جس طرح گھوڑا جنگ کی علامت ہے،

فاختہ امن کی علامت اور گدھ تباہی وہوس کی علامت کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ فرزانہ فرحت نے بھی اپنے کلام میں "پرندہ" کو علامت کے طور پر استعمال کیا ہے۔ جیسے:

اس طرح آنکھ سے اڑ جاتے ہیں پل میں سپنے
جس طرح لوٹ کے پنچھی کوئی گھر جاتے ہیں(5)

صحراؤں کا پنچھی ہوں سمندر نہیں دیکھا
دیکھے ہیں مکاں میں نے مگر گھر نہیں دیکھا(6)

قمر/ چاند، جذبے کی علامت ہے۔ اس کی ٹھنڈی روشنی سمندروں کی طرح انسانی شخصیت میں بھی مدوجذر کا باعث بنتی ہے۔ فرزانہ فرحت نے بھی علامت "چاند" کا استعمال اپنی غزلوں میں خوب کیا ہے:

میری شبِ سیاہ میں کوئی دیا نہیں
کیوں چاند بادلوں سے ابھی جھانکتا نہیں(7)

تو ہے گر چاند تو کیوں صبح تلک ساتھ نہیں
اس قدر جلد مرے چاند تو ڈھلتا کیوں ہے؟(8)

زمین انسانی تخلیق ہے۔ اس کی نشوونما، حفاظت کرنا، عقیدت کا اظہار کرنا ہے۔ زمین ماں کے روپ کی طرح ہے۔ انسان اور زمین کا رشتہ بہت گہرا ہے۔ فرزانہ فرحت نے زمین کو بہ طور علامت کچھ یوں استعمال کیا ہے:

اگتے ہیں اگر خار کسی دل کی زمیں پر
اس دل کو گلابوں سے سجایا نہیں جاتا(9)

سلگتی یہ زمین اپنی پگھلتا آسماں کیوں ہے؟
دکھوں کی آگ میں جلتا سارا جہاں کیوں ہے؟(10)

پھول، اردو شاعری میں ایک اہم عنصر کی حیثیت رکھتا ہے۔ پھول ایک طرف جمالیات کی علامت ہے دوسری طرف پھول زندگی کی عارضی اور ناپائیداری کا اعلان بھی کرتا ہے جہاں پھول کو استعاراتی حوالوں سے استعمال کیا جاتا ہے وہاں پھول کو علامت کے طور پر بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ سرخ اور سفید گلاب اتحاد، پانی اور آگ کو ظاہر کرتا ہے، اسی طرح کنول روحانی کشف، سورج مکھی کو شمسی رمزیت اور گیندا مشرق میں وفاداری کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ فرزانہ فرحت نے بھی پھول کو ایک علامت کے طور پر استعمال کیا ہے۔ وہ اپنی غزلوں میں اس علامت کا استعمال بڑی مہارت سے کرتی ہیں، جیسے:

سکوں کی نیند بھی بچے ہمارے کیوں نہیں سوتے
یہ ان کے پھول سے چہروں پہ وحشت کا سماں کیوں ہے(11)

میرا کانٹوں سے جسم زخمی ہے
اب تو اک پھول میرے مالی دے (12)

ہوا کو عربی میں صبا بھی کہتے ہیں۔ ہوا کلاسیکی اور جدید ہر عہد میں علامت کے طور پر نئی معنوی جہت سے زندہ رہی ہے۔ اسی طرح ہوا کو سموم اور صرصر بھی کہا جاتا ہے۔ ہوا میں تعمیری اور تخریبی دونوں قسمیں موجود ہیں۔ فرزانہ فرحت نے بھی اپنی غزلوں میں ہوا بہ طور علامت نئی معنوی جہت کو سامنے لاتی ہے:

ایسی چلی ہوا مرے مدہم رہے چراغ
بس روشنی کا رنگ ہی گہرا نہیں ملا (13)

بچھڑی ہوئی رتوں کو جو یادوں کا شور ہے
گرداب میں گھری ہوں ہواؤں کا شور ہے (14)

ستارا، کلاسیکی شاعری میں مقدر کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ نظامِ شمسی میں کل آٹھ سیارے ہیں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ستاروں کی گردش انسانی زندگی پر اثر انداز ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ ستارار ہنمائی اور رہبری کی علامت ہے۔ زمانہ قدیم میں لوگ ستاروں کی رہنمائی سے سفر کرتے تھے جب کہ آج سمندری سفر ستاروں سے کام لیا جاتا ہے۔ ستارہ امید ورجا کی علامت ہے۔ فرزانہ فرحت نے ستارہ بہ طور علامت خوب صورت استعمال کیا ہے جہاں اس سے نئے معانی سامنے آتے ہیں نہ کہ روایتی استعاراتی معانی کھلتے ہیں مثال دیکھیے:

روشنی بن کے مری روح کو روشن کردو
ایک تارا میری راہوں میں چمکتا لاؤ (15)

تھمتا ہی نہیں مجھ سے طوفان کا دھارا
گردش میں پھنسا ہے مری قسمت کا ستارا (16)

مٹی / خاک کا لفظ کلاسیکی اردو شاعری میں مختلف رنگوں اور معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ خاک کو ماں کا درجہ بھی دیا جاتا ہے۔ انسان چوں کہ خود مٹی کا بنا ہے اور اسے بالآخر اسی خاک میں جاملنا ہے۔ شاعرانہ کلام میں بھی خاک کو علامت کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ فرزانہ فرحت نے بھی اس علامت کا استعمال بہت خوب صورتی سے کیا ہے:

مری مٹی پہ پائل کی کوئی جھنکار رہنے دو
کہ مرے شہر میں کچھ سجے بازار رہنے دو (17)

شجر، درخت، پیڑ یہ مترادف الفاظ بھی علامت کے طور پر استعمال ہوئے ہیں شجر مسافر نوازی اور سایہ کی علامت ہے۔ موسم خزاں میں درختوں کا ٹنڈ منڈ ہونا اور موسم بہار میں برگ و بار لانا حیات نو اور تعمیر جدید کا اعلامیہ ہے۔ ایک چھوٹا سا بیج بویا جاتا ہے جس سے ایک مضبوط درخت بن جاتا ہے۔ اس طرح فرزانہ فرحت نے درخت کو علامت کے لیے استعمال کیا ہے:

نکل پڑی ہوں بہت تیز دھوپ میں لیکن
یہ آسرا ہے کہیں سایۂ شجر ہوگا[18]

پودا کسی کے پیار کا پھل پھول دے گیا
ایسا شجر لگا ہے جو اب سوکھتا نہیں[19]

سمندر، کے لیے عربی میں بحر کا لفظ استعمال ہوتا ہے یہ لفظ جدید معنوی اعتبار رکھتا ہے۔ کائنات کی وسعت کا استعارہ ہے۔ کامیابی کا استعارہ ہے وہاں بزدلی، کم ہمتی اور نامرادی کی علامت بھی ہے۔ جس طرح سمندر سے پانی کے اخراج کے لیے کوئی راستہ میسر نہیں ہوتا اسی طرح شاعری میں کوئی بھی لفظ کسی ایک معنی کسی ایک رنگ، کسی ایک صورت، کسی ایک ذہنی اور جذباتی رویے تک محدود نہیں رہتا۔ بلکہ معنی و مفہوم ہر جگہ بدل جاتا ہے۔ فرزانہ فرحت نے بھی علامت، سمندر کو مختلف جگھوں پر استعمال کیا ہے:

کشتی کو میری دے دو دعاؤں کا سہارا
دنیا کے سمندر میں تو منجدھار بہت ہیں[20]

میں تو پیاسی تھی سیراب ہونے لگی
آپ کو پیار کا جب سمندر بہا[21]

جدید شاعری میں شہری آبادی کو ناپسند کیا جاتا ہے۔ شاعری میں اس بلند عمارتوں کا ذکر تو کیا جاتا ہے مگر بے مروتی، ذہنی اجنبیت، مشین کی اکتا دینے والی چیخ و پکار کا مرکز ہے۔ شہری زندگی میں انتشار، ناآسودگی اور بے قراری ہے۔ جب کہ دیہاتی زندگی میں سکون اور طمانیت کا ذکر کیا جاتا ہے۔ فرزانہ فرحت نے بھی شہر کو علامت کے طور پر اپنی غزلوں میں استعمال کیا ہے:

اداسی سے نجانے کیوں یہ گھر آباد رہتا ہے
میرا دل شہر کی رونق میں بھی ناشاد رہتا ہے[22]

رائیگاں جاتے مرے گرد کی مانند حروف
جھوٹ کے شہر میں تو نے مجھے سچائی دی[23]

اسی طرح سورج جہاں روشنی کا منبع ہے وہاں سورج حرارت کا بھی ذریعہ ہے۔ سورج کی حیثیت پدر جیسی ہے لیکن اس کی علامت جغرافیائی نوعیت سے بدلتی ہے۔ سورج آگ بھی اور روشنی بھی ہے زمانہ قدیم سے شاعری میں سورج کو ایک جمالیاتی مظہر کی حیثیت سے استعمال کیا جاتا تھا۔ سورج جہاں عقل اور شعور کی علامت ہے وہاں زندگی اور موت کا بھی اعلامیہ ہے۔ فرزانہ فرحت نے بھی اپنی غزلوں میں اس علامت کو بخوبی استعمال کیا ہے:

یادوں کا ایک چراغ سا جلتا ہے رات دن
سورج کسی کی یاد کا اب ڈوبتا نہیں[24]

کہیں ڈوب جائے نہ چاہت کا سورج
اسی دن کے ڈھلنے پہ دل ڈر رہا ہے[25]

علامت نگاری میں شام کو احساس محرومی، غمزدگی، خاموشی، غم اور ہجر کی علامت کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ علامت قدیم اور جدید شاعری میں استعمال ہو رہی ہے۔ اس علامت کا استعمال تقریباً سبھی شعرا کرتے ہیں فرزانہ نے بھی اس علامت کا جابجا استعمال کیا ہے:

شام ہونے کو ہے اک دیپ جلا لوں میں بھی
اپنی انکھوں میں نیا خواب سجا لوں میں بھی[26]

میں اک شام کا ڈھلتا ہوا سا سایہ ہوں
تم اپنے ساتھ یہ وقتِ زوال مت رکھوں[27]

فرزانہ فرحت کے علامتی نظام کے ضمن میں یہ بات واضح طور پر اجاگر ہوگئی ہے کہ ان کی معنوی وسعت زندگی کے تلخ حقائق کے بیابونوں سے گزرنے کی داستانِ خونچکاں ہے، جس میں کہیں زندگی کی تلخیاں ہیں، کہیں غم، محرومیوں اور دکھوں کے گہرے بادل ہیں۔ جہاں قدیم اور جدید کا امتزاج سے اک ایسی تازگی پیدا ہوئی ہے، جو ان کی پیش رو شاعرات کے یہاں نہیں ملتی، کسی بھی تخلیقی اظہار کے حوالے سے ہمیشہ یہی معیار نظم رکھا جاتا ہے کہ اسے اپنے عہد اور زمانے کی نمایندگی کے اعتبار سے کتنا اہم سمجھا جاسکتا ہے۔ اس ضمن میں موضوعات، اسالیب پیرایہ اظہار، زبان و بیان اور شعری جمالیات کو پیش نظر رکھا جاتا ہے، مگر اس کا سب سے اہم عنصر یہ ہوتا ہے کہ اس فن پارے اور اس سے کیا تاثر اجاگر ہو رہا ہے۔ ان کے ہاں علامت سے نئے مضامین اور معانی بھی سامنے آتے ہیں۔ کسی فن پارے کی وقعت اس کی عصری حسیت ہی طے کرتی ہے، فرزانہ فرحت برطانیہ میں اُردو کی نمایندہ شاعرہ ہیں۔ برطانیہ کے ادبی حلقوں میں آپ کے تمام مجموعوں کو خوب پذیرائی حاصل ہے اور پاکستان کی شاعرات میں ان کے شعر کا کینوس جدید اور قدیم کا امتزاج ہے، وہ روایتی الفاظ سے نئے معانی پیدا کرنے میں منفرد مقام رکھتی ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

## حوالہ جات

1. سید محمد عقیل، ڈاکٹر: "نئی علامت نگاری" انجمن تہذیب نو پبلیکیشنز ڈویژن، الہ آباد، انڈیا، 1974ء، ص:5
2. ظہیر رحمتی: "غزل کی تنقید کی اصطلاحات" جواہر لال نہرو یونیورسٹی، دہلی، انڈیا، 2005ء، ص:364
3. فرزانہ فرحت: "کلیات" قرطاس پبلشرز، ایڈیشن دوم، 2019ء، ص:106
4. ایضاً، ص:73
5. ایضاً، ص:143
6. ایضاً، ص:137

7. ایضاً، ص:37
8. ایضاً، ص:209
9. ایضاً، ص:33
10. ایضاً، ص:263
11. ایضاً، ص:141
12. ایضاً، ص:31
13. ایضاً، ص:71
14. ایضاً، ص:200
15. ایضاً، ص:100
16. ایضاً، ص:317
17. ایضاً، ص:209
18. ایضاً، ص:84
19. ایضاً، ص:34
20. ایضاً، ص:78
21. ایضاً، ص:139
22. ایضاً، ص:203
23. ایضاً، ص:31
24. ایضاً، ص:80
25. ایضاً، ص:38
26. ایضاً، ص:209
27. ایضاً، ص:66

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

## *Roman Havalajat*

1. Sayyad M Aqeel, Dr: "Nai elamat nigari" Anjuman Tehzeeb e now Publications, Illah Abad, India,1974,P:5
2. Zaheer Rehmati, "Ghazal ki Tanqeed ki istlahat, India: Jwahir lal nehru University, india,2005,P:364
3. Farzana Ferhat: "Kuliyat", Qirtas Publishers, Second Edition, 2019, P:106
4. Ibid, P:73

5. Ibid, P:143
6. Ibid, P:137
7. Ibid, P:37
8. Ibid, P:209
9. Ibid, P:33
10. Ibid, P:263
11. Ibid, P:141
12. Ibid, P:31
13. Ibid P:71
14. Ibid, P:200
15. Ibid. P:100
16. Ibid. P:317
17. Ibid. P:209
18. Ibid. P:84
19. Ibid. P:34
20. Ibid. P:78
21. Ibid. P:139
22. Ibid. P:203
23. Ibid. P:31
24. Ibid. P:80
25. Ibid. P:38
26. Ibid. P:209
27. Ibid. P:66